تعارف وتبصرہ

وحدتِ امّت — مولانا مفتی محمد شفیعؒ

رحمٰن پبلشرز۔ گلی قاسم جان۔ دہلی ۶ ۔ صفحات ۶۲ ۔ قیمت ۳ روپئے

برصغیر پاک وہند کے نامور عالم دین مولانا مفتی محمد شفیعؒ کا یہ مختصر رسالہ ہے جو ۱۹۶۶ء میں مکتبہ المنبر لائلپور (پاکستان) سے شائع ہوا تھا۔ پیش نظر اشاعت اسی کا ہندوستانی ایڈیشن ہے۔ ادارہ 'المنبر' کی طرف سے موصوف کو اس موضوع پر تقریر کی دعوت دی گئی تھی جسے بعد میں مولانا مرحوم نے (۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ) خود ہی قلم بند کر دیا تھا۔ صفحہ ۴۸ سے آخر تک اسی طرح کی ایک اور تقریر ہے جس کا عنوان ہے 'اختلافات امت اور ان کا حل'۔ 'وحدت امت' انہی دو تقاریر کا مجموعہ ہے۔ ہند و پاک کے مختلف رسالوں میں اس کتابچے کے اقتباسات متعدد بار نگاہ سے گزرے جس سے اسے دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ واقعہ ہے کہ اس کے مضامین اس قابل ہیں کہ ان پر بار بار توجہ دی جائے۔

کتابچے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے کہ امت کو اپنے فقہی اور مسلکی چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر اور گروہی اور جماعتی حصاروں سے اوپر اٹھ کر ان وسیع تر مقاصد کے لیے کام کرنا چاہیے جن کے لیے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سمیت تمام انبیاء کی بعثت ہوتی رہی ہے۔ فقہی اور مسلکی اختلافات میں بیجا تشدد اور غلو تحزب اور دھڑے بندیوں کو جنم دیتا ہے، جس سے امت کا شیرازہ منتشر ہوتا اور اس کی وحدت و اجتماعیت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے فقہی اور جماعتی مسائل میں کشادہ ظرفی اور وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی توجہ اسلام کے وسیع تر مقاصد کو روبکار لانے پر مرکوز رکھیں۔ فقہی اور جماعتی معاملات کا یہی بیجا تشدد ہے جس نے آج ہر جگہ مسلمان امت کو بے شمار دھڑوں میں تقسیم کر رکھا ہے اور اس کے نتیجے میں نکبت و ادبار اس کی قسمت بن گیا ہے۔ مسلمان اگر اپنے کو اس گرداب سے نکالنا چاہتے ہیں تو انھیں ان اختلافات کو ختم کر کے اسلام کے وسیع مقاصد کے لیے کام کرنا ہوگا یہی چیز تھی جس نے صدر اوّل میں اس امت کو عروج و اقبال سے ہمکنار کیا تھا۔

اصولی گفتگو کے علاوہ مصنف مرحوم نے اس سلسلے میں اپنے بزرگوں کے کچھ واقعات بھی نقل کیے ہیں ان میں سے ایک واقعہ خاص طور پر اپنے اندر عبرت و بصیرت کا بڑا سامان رکھتا ہے۔ مصنف کے استاد اور جماعت دیوبند کے سرخیل علامۃ العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ قادیان کے سالانہ جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ ایک موقع پر مصنف بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک صبح نماز فجر کے وقت حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ علامہ موصوف سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد علامہ سے مصنف کی گفتگو انہی کے لفظوں میں اس طرح ہے:-

"میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں! ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو۔ عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی!

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کردی!
میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟
فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں، امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔
اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کردی؟ ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔
اور امام شافعیؒ، مالکؒ، اور احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسالک کے فقہا جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو ''صواب محتمل الخطاء'' (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کردیں اور دوسرے کے مسلک کو ''خطا محتمل الصواب'' (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں، اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں، ان تمام بحثوں، تدقیقات اور تحقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔
پھر فرمایا: ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا .... تو جس چیز کو نہ دنیا میں کبھی نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی، اپنی قوت صرف کردی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جارہی، یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے و اغیار ان کے چہرے کو مسخ کررہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں۔ گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے شرک و بت پرستی چل رہی ہے۔ حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی و فروعی بحثوں میں۔
حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کررہا ہوں کہ عمر ضائع کردی (صفحہ ۱۸-۲۰)
مولانا محمد یوسف بنوریؒ مصنف معارف السنن جو علامہ کشمیریؒ کے شاگرد خاص اور ان کے علوم کے سب سے بڑے جانشین سمجھے جاتے رہے ہیں۔ آخری عمر میں ان کا بھی یہی تاثر تھا اور یہی کیفیت ان پر بھی طاری رہتی تھی۔ (ملاحظہ ہو الفرقان ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۸ء خاص شمارہ مضمون: پیکر محبوبی از ڈاکٹر غلام محمد)
مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اسی سلسلے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا یہ بصیرت افروز بیان بھی نقل کیا ہے کہ مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد ایک روز دار العلوم علماء کے بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کی تباہی کے دو اسباب بیان فرمائے۔ ایک قرآن مجید کی تعلیمات کو چھوڑ دینا اور دوسرا باہمی اختلافات اور جنگ و جدال حضرت شیخ الہند نے فرمایا اسے کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔ ص۱۵
امت کے اندر اتحاد و اتفاق کے مسئلے میں اکابر دیوبند کے ان تجربات اور مشوروں کی اہمیت اور

قدر و قیمت سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ عملی طور پر اس مکتب فکر سے وابستگی رکھنے والوں کا رویہ پاک و ہند ہر جگہ' اس سلسلے میں، بجائے مثبت کے منفی رہا ہے۔ پاکستان میں دیوبند کا تقریباً پورا حلقہ، وہاں احیاء اسلام کی علمبردار تحریک کی مخالفت میں پیش پیش رہا۔ مولانا مفتی شفیع اور ان کا حلقہ گو نسبتاً نرم رہا لیکن اس تحریک کی مخالفت میں مولانا بنوری کی انتہا پسندی حد درجہ بڑھی ہوئی تھی۔ ہندوستان کے اندر بھی صورت حال اس پہلو سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ یہاں تحریک اسلامی کے ساتھ علمائے دیوبند اور ان کے ارادت مندوں کا جو طرز عمل رہا وہ اپنی جگہ، امت کے عمومی امور و مسائل کے سلسلے میں بھی ان کا رویہ عام طور پر منفی رہا اور تقریباً ہر محاذ پر ملت سے کٹ کر انھوں نے اپنی پگڈنڈی بنانے کی کوشش کی۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں مسلم مجلس مشاورت کا قیام، امت کے اتحاد و اتفاق کے سلسلے میں ایک بہت ممتاز اور منفرد کوشش تھی۔ لیکن علمائے دیوبند کی نمائندہ جماعت اس سے ہمیشہ کٹی کٹی رہی۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم کا مسئلہ، ملت اسلامیہ ہند کے ہر فرد کا اپنا مسئلہ تھا، جس کے لیے ایک مشترکہ پلیٹ فارم اور متحدہ جد و جہد وقت کی اہم ترین ضرورت تھی۔ لیکن علمائے ہند کی جماعت اس مقصد کی خاطر تشکیل دی گئی 'دینی تعلیمی کونسل' کا ساتھ نہ دے سکی۔ حد تو یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر مکتب و خیال کے مسلمانوں کے مشترکہ پلیٹ فارم 'مسلم پرسنل لا بورڈ' کے ساتھ اس کی دلچسپی اور تعاون کو بھی برائے نام ہی کہا جا سکتا ہے۔ تحریک اسلامی، جس کے موقف کی صداقت اب عالم اسلام میں تسلیم کی جا چکی ہے، جماعت دیوبند کی اکثریت نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی۔ آج بھی وہ اسے 'ضال و مضل' باور کرانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ تحریک اسلامی کی قیادت مختلف مواقع پر اپنے موقف کی وضاحت کرتی رہی۔ لیکن اہل دیوبند اسے مان کر دینے کے لیے تیار نہیں۔ مسلک حنفی پر تشدد اور اس کی جزئیات میں غلو ہند و پاک ہر جگہ اس جماعت کا ایک امتیازی وصف ہو گیا ہے جبکہ امت کے اتحاد و اتفاق کے پہلو سے اس کی ہلاکت آفرینی واضح ہے۔ دینی نقطۂ نظر سے تو اس موقف کی غلطی اظہر من الشمس ہے۔ اتحاد امت کے سلسلے میں اکابر دیوبند کے ان نصائح کو ہند و پاک کے مختلف جرائد و رسائل میں بجا طور پر بار بار شائع کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی واقعی افادیت اسی وقت سامنے آسکتی ہے جبکہ لوگ عملی طور پر اپنا رویہ بدلنے کے لیے تیار ہوں۔ اور اتحاد کا صرف وعظ سنانے پر اکتفا نہ کر کے عملی دنیا میں اس کے تقاضوں کو روبہ عمل لائیں۔ اہل دیوبند آج بھی اپنے ان اکابر کے مشوروں کی روشنی میں، اپنا عملی رویہ تبدیل کر سکیں تو پاکستان ہی نہیں ہند میں بھی، ہزار مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود امت کے دن بدل سکتے ہیں۔ جس کے لیے ہم صدق دل سے بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہیں۔

صفحہ ۳۱ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو 'سرور کونین' لکھا گیا ہے۔ آپؐ کی ذات گرامی کے لیے ان الفاظ کا استعمال عقیدت و محبت میں افراط کا مظہر ہے، قرآن و سنت کی تصریحات اس کے برعکس ہیں، اسی لیے علماء کی ایک جماعت نے اس کے استعمال کو ناپسند کیا ہے، اسی طرح صفحہ ۴۵ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو 'ہمارے ماویٰ اور ملجا' کہا گیا ہے جو صحیح نہیں۔ 'ملجا و ماویٰ' صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ صفحہ ۱۳، ماہواری رسالہ لکھا گیا ہے جو ذوق سلیم کے لیے بہت گراں ہے 'ماہانہ رسالہ' ہونا چاہیے۔ ●●

(سلطان احمد اصلاحی)